۷

صداقت اور دیانت کی تلوار سے دنیا کو فتح کرو

(فرمودہ ۶/ مارچ ۱۹۳۶ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

بوجہ سردرد کے دَورہ اور حرارت کے مَیں آج بہت مشکل سے خطبہ پڑھ سکتا ہوں لیکن میرے نفس نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ میں آج خطبہ تک سے گریز کروں اِس وجہ سے نہایت اختصار کے ساتھ جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ جیسا کہ میں نے گزشتہ سال بتایا تھا طاقت اور قوت کے مقابلہ کیلئے کوئی ہتھیار چاہئے اور ہتھیار بھی وہ جو دشمن کے پاس نہ ہو یا دشمن کے ہتھیار اس کے مقابلہ میں ادنیٰ ہوں۔ شاعر بے شک اپنے معشوقوں کو بغیر ہتھیار کے لڑا لیتے ہیں مگر عملی دنیا میں ہتھیار کے بغیر کام نہیں چلتا۔ شاعروں کا کہنا ہے کہ اُن کی دنیا خیالی ہوتی ہے جو چاہیں پاس سے بنالیں ان پر اعتراض کرنے والا کوئی نہیں بلکہ جو اعتراض کرے وہ جاہل سمجھا جاتا ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ذوقِ علم وادب سے محروم ہے جو صداقت کو ان کے سامنے پیش کرتا ہے وہ ان کے نقطۂ نگاہ سے جاہل ہوتا ہے۔ ہمارے کسی شاعر نے کہا ہے کہ:

اِس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

اس شاعر کا معشوق بغیر ہتھیار کے جیت جاتا ہے۔ ادب کے لحاظ سے اس شاعر کا پایہ بہت بلند ہے اور میں بچپن سے اِس کا مداح ہوں مگر عملی دنیا میں اس کی کیا حقیقت ہے۔ مجازی دنیا

میں بے شک یہ بھی ایک اصل ہے کیونکہ اگر ہتھیار کو ظاہری ہتھیار اور لڑائی کو روحانی لڑائی سمجھ لیں تو بے شک یہ بھی درست ہوسکتا ہے لیکن اگر دونوں پہلو ظاہر پر مبنی سمجھے جائیں تو یہ بالکل بے معنی ہے مگر میں نے بتایا ہے کہ شاعر کی دنیا بالکل اَور ہوتی ہے۔ مُغلوں کا مشہور بادشاہ تیمور جب ایران کو فتح کرتا ہؤا شیراز میں پہنچا جو حافظ کا جو مشہور صوفی اور شاعر تھے وطن ہے تو کسی نے اُس سے ذکر کیا کہ یہاں کے ایک شاعر نے لکھا ہے

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

یعنی اگر وہ میرا معشوق میرے دل کو اپنے قبضہ میں لے لے اور مجھ سے تعلق قائم کر لے تو میں اس کے رُخ سیاہ تِل کے عوض سمرقند و بخارا بخش دوں۔

سمرقند و بخارا تیمور کا وطن تھا اُس نے یہ شعر سن کر کہا کہ میں نے تو سمرقند و بخارا کیلئے دنیا کے ایک سِرے سے لے کر دوسرے سِرے تک قتلِ عام کیا ہے مگر یہ اپنے معشوق کے سیاہ تِل کے عوض اسے دینے کیلئے تیار ہے۔ لیکن میں نے کہا ہے کہ شاعر کی دنیا اَور ہے اور کہتے ہیں کہ تیمور کو بھی اس شاعر کے مقابلہ میں نیچا ہی دیکھنا پڑا اور اُس نے حافظ کو انعام واکرام دے کر رخصت کیا۔ مگر ہم جس دنیا سے تعلق رکھتے ہیں وہ حقیقت کی دنیا ہے اور یہاں ہر ایک کیلئے ہتھیار کی ضرورت ہے جو اس کے دشمن کے ہتھیار سے زیادہ تیز، تعداد میں زیادہ اور زیادہ کارآمد ہونا چاہئے۔

کوئی زمانہ تھا کہ لوگ غلیل استعمال کرتے تھے، پھر تیر ایجاد ہوئے جنہوں نے غلیل اور غلّے کو پس پشت ڈال دیا اور وہ قومیں جیتنے لگیں جو تیر انداز تھیں۔ پھر تیراندازی میں ترقی ہوئی تو دنیا میں منجنیقیں ایجاد ہوئیں جو پتھراؤ کر کے قلعوں کو گرا دیتی تھیں نیزے قلعوں کے مقابل میں ناکام رہتے تھے لیکن منجنیقوں نے قلعوں کو گرانے کا راستہ کھول دیا، پھر بارود نکلا اس سے اس بارہ میں زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ کبھی لوگ چمڑے کی زِرہ پہنتے تھے اور کمزور بازوؤں والے تیراندازوں کے تیروں سے محفوظ رہتے تھے لیکن پھر لوہے کی زِرہ نکلی اور اس سے زیادہ خطرناک ہتھیاروں سے حفاظت کا سامان پیدا ہوگیا، پھر توپوں کا زمانہ آگیا اور انہوں نے منجنیقوں کی طاقت کو توڑ دیا اور اگر پہلے قلعہ کے نیچے جا کر دیواروں کے نیچے بارود رکھ کر اسے اُڑا دیا جاتا تھا تو

توپوں نے دور سے ہی انہیں گرانا شروع کر دیا۔ پھر وہ قومیں دنیا میں پھیلنے لگیں جو توپیں رکھتی تھیں اور منجنیقوں والی کمزور ہونے لگیں۔ پھر بندوقیں نکلیں جن کا ابتدا میں چلانا بہت محنت طلب تھا۔ اس بات کی ضرورت ہوتی تھی کہ پہلے انہیں بھرا جائے اور پھر مضبوطی سے کسی جگہ باندھ دیا جائے اور پھر فیتہ سے آگ دی جائے۔ اس کے بعد توڑے دار بندوقیں بن گئیں جنہوں نے پہلے کی نسبت تباہی اور خون ریزی آسان کر دی۔ پھر کارتُوس والی بندوقیں بن گئیں اور ان کے بعد میگزینوں والی اور ہر وہ قوم جس نے ترقی کی طرف قدم نہ اُٹھایا برباد ہوتی گئی۔ مسلمانوں کے علماء کہلانے والوں نے جس طرح ہندوستان میں مغربی علوم کی تحصیل کو کفر قرار دے کر مسلمانوں کو تباہ کیا اسی طرح بعض علماء نے مسلمان حکومتوں کو توپوں اور بندوقوں کے استعمال سے بھی روکا۔

بخارا کی حکومت ایک وقت اِس قدر زبردست تھی کہ ایک طرف اس نے ڈینیوب [1] کے کناروں تک جو وسطِ یورپ میں ہے تاخت وتاراج کیا اور تمام یورپین حکومتوں کو زیرزبر کر ڈالا اور دوسری طرف اس کے بیڑے جاپان کے ساحل تک پہنچ گئے، اس حکومت کا خاتمہ بھی ایسے ہی علماء کے فتووں سے ہوا۔ روس کی افواج مُہلک ہتھیاروں سے مسلح تھیں لیکن مسلمان علماء نے فتویٰ دے دیا کہ آگ سے عذاب دینا اسلام میں جائز نہیں اس لئے توپوں اور بندوقوں کا استعمال ناجائز ہے حتّٰی کہ بڑے بڑے علماء تو اس بات کو سِرے سے تسلیم ہی نہ کرتے تھے کہ ایک میل سے گولے پھینکے جاسکتے ہیں وہ اسے جادو سمجھتے تھے۔ اب تو توپوں کے گولے سَو سَو میل تک مار کر سکتے ہیں مگر اُس زمانہ میں میل دو میل سے زیادہ نہیں کر سکتے تھے۔ آخر جب روسیوں سے لڑائی ہوئی تو بادشاہ نے چاہا کہ صلح کر لی جائے مگر علماء نے کہا کہ کُفّار سے صلح نہیں ہوسکتی آپ مسلمانوں کو لڑنے دیں ہم روسیوں کو رسیوں سے باندھ باندھ کر لائیں گے۔ وہ رسیاں اور بکریوں کیلئے پتے جھاڑنے والے آلے لے کر میدان میں پہنچے کہ اِس سے انہیں کھینچ کر پھر رسیوں سے باندھ لیں گے لیکن جب روسیوں کی طرف سے گولہ باری شروع ہوئی تو سحر سحر پکارتے ہوئے بھاگنے لگے اور بادشاہ سے جا کر کہا کہ ان لوگوں کو جادو آتا ہے آپ خواہ کچھ کرتے ان کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکتے۔ روسیوں نے بخارا کا تخت اُلٹ دیا اور حکومت تباہ ہوگئی۔

لطیفہ یہ ہے کہ توپوں کی ایجاد مسلمانوں سے ہی شروع ہوئی اور دنیا میں سب سے پہلے

مغل فوجوں نے ہی ان کو استعمال کیا یورپ والوں نے ان کی نقل کی مگر افسوس کہ موجدوں نے اپنی ایجادوں کو خود بھلا دیا اور جنہوں نے اِتباع کی انہوں نے ترقی دے کر کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ پھر توپوں میں ترقی شروع ہوئی حتّٰی کہ موٹرز کی ایجاد ہوئی جو گولہ سیدھا نہیں بلکہ بیضوی رنگ میں پھینکتی ہے اور اس کے رستہ میں پہاڑوں کی اوٹ اور قلعہ کی دیواریں کوئی فائدہ نہیں دے سکتیں۔ اس کا گولہ پہلے ہوائی کی طرح آسمان کی طرف جاتا اور پھر آ کر گرتا ہے۔ اس کے بعد بم ایجاد ہوئے، پھر ٹینک نکل آئے یعنی لوہے کا جہاز جو زمین پر چلتا ہے چند لوگ اس میں بیٹھے ہوئے گولیاں چلا چلا کر مارتے جاتے ہیں باوجودیکہ جرمن قوم بہت ہوشیار اور لڑائی میں ماہر ہے لیکن ٹینک پہلے برطانیہ میں ایجاد ہوئے۔ میں نے اس نظّارہ کی تفاصیل پڑھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ پہلا ٹینک جب جرمن افواج کے مقابلہ میں گیا تو ان کے ہوش و حواس اُڑ گئے اور اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کا مقابلہ کس طرح کریں سوائے پاگلوں والی بہادری کے وہ کچھ نہ کر سکے۔ جرمن فوجیں آتیں اور اُس کے سامنے گِر گِر کر مر جاتیں اور وہ دس بارہ آدمی بحفاظت اندر بیٹھے ہوئے گولیاں چلاتے جاتے۔ انہوں نے اس کا آخری علاج اس طرح کیا کہ ان لاشوں کے ڈھیروں پر کھڑے ہو کر سوراخوں میں سے پستول چلا چلا کر اندر بیٹھے ہوئے آدمیوں کو ہلاک کیا اور جس وقت تک انہوں نے بھی ٹینک نہیں بنالئے ان کا بہت نقصان ہوتا رہا۔

خشکی پر اس ترقی کے مقابلہ میں ہوا نے بھی جنگ میں کم حصہ نہیں لیا۔ ہوا میں اُڑنے والے جہاز بھی لوگوں نے ایجاد کئے جنہوں نے زمینی فوجوں کو بالکل بے دست و پا کر دیا۔ اسی طرح سمندری جہازوں میں ترقی ہوئی۔ پہلے وہ بادبانوں سے چلتے تھے، پھر سٹیم کے ذریعہ چلنے لگے، پھر معمولی دُخانی جہازوں کی جگہ ٹبل شپس کروزرز، ڈسٹرائرز، مائن لیسرز، تارپیڈو بوٹس اور آبدوز جہازوں نے لے لی اور ہر قدم پر ترقی ہونے لگی اور وہ قومیں ترقی کرنے لگیں جو ان سے مسلّح تھیں۔ ترکوں کے ساتھ دوستی کا دعویٰ کرتے ہوئے اٹلی نے طرابلس الغرب پر حملہ کیا اور ترکی کے ساحل سے صرف سَو ڈیڑھ سَو میل کے فاصلہ پر اس کے ملک پر قبضہ کر لیا لیکن ترک بالکل بے دست و پا تھے کیونکہ ان کے پاس جہاز نہ تھے۔ اب جنگی سامانوں نے اس سے بھی ترقی کی ہے اور گولے بھی بیکار ثابت ہو رہے ہیں۔ اب زہریلی گیسیں نکلی ہیں جہاں ان کا گولہ پڑتا ہے سب

لوگ بیہوش ہوجاتے ہیں یا پاگل ہوجاتے ہیں۔ دل پر اتنا خوف طاری ہوتا ہے کہ ڈر سے انسان پاگل ہوجاتا ہے۔ بڑے بڑے جری اور دلیر بھی اس کیمیاوی اثر کے نیچے پاگلوں کی طرح دوڑتے پھرتے ہیں۔ کئی لوگ بالکل ہی پاگل ہوجاتے ہیں اور عام طور پر بھی دس بارہ گھنٹے تک اس کا اثر رہتا ہے اور اب اس سے بھی زیادہ ترقی ہورہی ہے اور ایسے سامان نکل رہے ہیں کہ تمام ملک کی خوراک، پانی اور ہوا کو زہریلا کر دیا جائے تمام ملک میں ٹائیفائیڈ، پلیگ یا ہیضہ کے کیڑے پھیلا دیئے جائیں اور نہ معلوم دنیا ان میں ابھی کہاں کہاں تک ترقی کرے گی۔

سوال صرف یہ ہے کہ ہم جنہوں نے ساری دنیا سے مقابلہ کرنا ہے ہمارے پاس کیا ہتھیار ہے؟ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ صرف وہی غالب آتے ہیں جن کے پاس ہتھیار غالب ہوں اور ہمت وقربانی کی روح ہو۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ہمت اور قربانی کی روح ہم میں موجود ہے مگر یہ ہتھیاروں کا قائم مقام نہیں ہوسکتی۔ بے شک قربانی کی روح بھی ایک حد تک ہتھیار کا کام دے جاتی ہے مگر انتہاء کو پہنچ کر۔

حضرت سیّد اسماعیل صاحب شہید نے جو حضرت سیّد احمد صاحب بریلوی کے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے قبل کی صدی کے مجدد تھے مرید تھے اور نہایت روحانی آدمی تھے، پشاور کے علاقہ میں سکھوں پر حملہ کیا۔ آپ کے ساتھ صرف پانچ سَو آدمی تھے اور سکھوں کی فوج بہت زیادہ تھی۔ پھر سکھوں کے پاس توپیں تھیں مگر ان کے پاس کوئی توپ نہ تھی لوگوں نے اُن سے کہا بھی کہ یہ لڑائی بے فائدہ ہے مگر انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں اگر ہم مارے بھی گئے تو جنت میں جائیں گے۔ پھر انہوں نے اپنے آدمیوں کو سَو سَو یا پچاس پچاس گز کے فاصلے پر پھیلا دیا اور حکم دیا کہ تم اِس طرح دَوڑو کہ عین توپ خانہ پر جا کر جمع ہوجاؤ۔ اب توپ کا گولہ اگر مارتا بھی تو صرف اُس ایک آدمی کو جو اُس کی زد میں ہوتا۔ اِس طرح وہ تمام مجاہدین سکھوں کے توپ خانہ پر جا پڑے اور تلواریں کھینچ کر اُن کو حکم دیا کہ توپوں کا منہ اپنی فوجوں کی طرف موڑ کر چلاؤ ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ توپچیوں نے جان کی خاطر ایسا ہی کیا۔ تو بے شک بعض حالات میں ایمان ایسا ترقی کر جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں ہتھیار بن جاتا ہے لیکن جب تک کسی نہ کسی قسم کا ہتھیار نہ ہو دشمن کے مقابلہ میں کامیابی محال ہے۔

ظاہری ہتھیار تو ہمارے پاس ہیں نہیں حتّٰی کہ تلواریں بھی نہیں کُجا یہ کہ مشین گنیں، میگزینیں اور بندوقیں ہوں اس لئے ہمارے واسطے اب وہی ہتھیار باقی ہے جو مؤمنوں کا ہوتا ہے اور وہ صداقت اور ایمان کا ہتھیار ہے سچائی کے ہتھیار کے سامنے توپیں بالکل بیکار ہوجاتی ہیں۔ ایک شخص دوسرے پر توپ کا فائر اِس لئے کرتا ہے کہ وہ اس کا دشمن ہے لیکن اگر وہ سچائی سے اسے دوست بنالے تو وہی توپ اس کی ہوجائے گی۔ اس لئے میں نے جماعت کو پچھلے سال بھی توجہ دلائی تھی کہ صداقت کے ہتھیار کو استعمال کریں۔ آپ لوگوں میں سے ہر ایک یہ فیصلہ کرلے کہ خواہ کچھ ہو وہ سچائی کو کام میں لائے گا مگر مجھے افسوس ہے کہ ابھی تک ہم وہ معیارِ صداقت قائم نہیں کرسکے جس کے ساتھ دلوں کو مسخر کیا جاتا ہے۔ ادھوری صداقت تو اور بھی اُکسا دیتی ہے اس لئے کہ سچائی کامل چاہئے۔ میں نے دیکھا کہ مختلف نوجوانوں کو جو کام سپرد کئے جاتے ہیں ان میں بِالعموم دیانت کا وہ معیار پیش نہیں کرتے جس کی ان سے امید رکھی جاتی ہے۔ مؤمن کا دل اتنا وسیع ہونا چاہئے کہ صداقت اور دیانت اس کے اندر انتہائی درجہ کی ہو اور یہی اس کا ہتھیار ہونا چاہئے۔ بغیر ہتھیاروں کے دنیا میں فتح نہیں ہوسکتی اور ہتھیاروں کے لحاظ سے دنیا اِس قدر ترقی کرچکی ہے کہ تمہارے پاس اتنے سامان ہی نہیں ہیں کہ ان سے کام لے سکو۔

فرض کرو آج انگریز ہمیں اجازت بھی دے دیں کہ تم ہوائی جہاز اور بحری جہاز اور دوسرے سامان رکھ سکتے ہو تو کیا ہم انہیں خرید سکتے ہیں؟ ایک بڑا جہاز آٹھ کروڑ روپیہ تک تیار ہوتا ہے اور ظاہر ہے ہم ایک جہاز بھی نہیں بناسکتے۔ ہوائی جہاز جو اچھے لڑنے والے ہوتے ہیں وہ تین لاکھ سے دس لاکھ تک کے ہوتے ہیں۔ پس ظاہری ہتھیاروں کی اگر حکومت اجازت بھی دے دے تو ہماری جماعت ان سے فائدہ نہیں اُٹھاسکتی۔ ممکن ہے ہندو اور سکھ فائدہ اُٹھاسکیں کیونکہ وہ مالدار اور جتھے والے ہیں مگر ہم نہیں اُٹھاسکتے اس لئے ہم کیوں نہ وہی ہتھیار استعمال کریں جو ہمارے مناسبِ حال بھی ہے اور جسے اور کوئی اختیار نہیں کرسکتا۔

صداقت اور دیانت کا ہتھیار ہی تھا جسے رسول کریم ﷺ نے شدید سے شدید دشمنوں کے مقابلہ پر استعمال کیا اور قرآن کریم میں ہے کہ آپ نے فرمایا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ [۲] مَیں اس سے پہلے تم لوگوں میں عمر کا ایک حصہ گزار چکا ہوں تم کیوں عقل نہیں

کرتے۔ یہی وہ تلوار تھی جس کے سامنے مکہ والوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ مسلمانوں نے بھی مجبوراً تلوار چلائی ہے اوراس کے نتیجہ میں بھی بہت سے دشمن مغلوب ہوئے لیکن ان کے چلانے والے اسی صداقت کی تلوار نے پیدا کئے تھے، ان کے چلانے والے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ تھے مگر کیا ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ کو لوہے کی تلوار نے قابو کیا تھا؟ جس وقت آنحضرت ﷺ نے دعویٰ کیا تو حضرت ابوبکرؓ تجارت کا مال لے کر کسی گاؤں میں گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو کسی دوست کے مکان پر بیٹھے تھے کہ اُس کی لونڈی نے کہا تمہارا دوست پاگل ہوگیا ہے وہ کہتا ہے کہ آسمان سے مجھ پر فرشتے اُترتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے دوست آنحضرت ﷺ ہی تھے۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تو چادر کندھے پر رکھ لی۔ اُس زمانہ میں عرب کے لوگوں کی روزمرہ کا لباس یہی ہوتا تھا ایک چادر اوڑھ لیتے تھے اور ایک باندھ لیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے بھی چادر کندھے پر ڈالی اور چل پڑے۔ آنحضرت ﷺ کے دروازہ پر پہنچ کر دستک دی۔ آپؐ باہر تشریف لائے تو حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کہ سنا ہے آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کیا یہ درست ہے؟ آنحضرت ﷺ نے اِس خیال سے کہ حضرت ابوبکرؓ ٹھوکر نہ لگے چاہا کہ اپنے دعویٰ کی کسی قدر تشریح کردیں مگر حضرت ابوبکرؓ نے اِس سے روک دیا اور کہا کہ آپ صرف ہاں یا ناں میں جواب دیں۔ اور جب آپ نے کہا کہ ہاں تو ابوبکرؓ نے کہا کہ میں آپ پر ایمان لے آیا[۳]۔ انہوں نے نہ چاہا کہ اپنے ایمان کو دلائل سے خراب کریں۔ وہ صداقت کی تلوار کے مقتول بننا چاہتے تھے دلائل کی تلوار کے نہیں۔ بے شک حضرت ابوبکرؓ کی تلوار نے اسلام میں بہت کام کیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ ابوبکرؓ پر کونسی تلوار چلائی گئی تھی۔ ابوبکرؓ کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب عام طور پر ارتداد کی رَو پھیل گئی تو مکّہ مدینہ اور ایک اور چھوٹے سے گاؤں کے سِوا اور کہیں بھی باجماعت نماز نہ ہوتی تھی۔ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا۔ اُس وقت حضرت ابوبکرؓ ہی تھے جنہوں نے اِس رَو کا مقابلہ کیا۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس گئے اور عرض کیا کہ اِس وقت شورش بہت زیادہ ہوگئی ہے میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ ذرا نرم ہو جائیں آہستہ آہستہ سب کو ٹھیک کرلیا جائے گا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ اگر یہ لوگ مدینہ میں گُھس آئیں اور مسلمانوں کی عورتوں کو قتل کردیں اور اُن کی لاشوں کو کُتّے گھسیٹتے پھریں تو بھی میں ان لوگوں سے صلح نہ کروں گا جب تک کہ جو

رسول کریم ﷺ کو ایک رسّی بھی زکوٰۃ میں دیتے تھے وہ دوبارہ نہ دینے لگیں[۴]۔ حضرت عمرؓ کبھی کبھی حضرت ابوبکرؓ کو پیار سے بُڈّھا کہا کرتے تھے وہ کہتے ہیں میرا خیال تھا کہ بُڈّھا کمزور دل کا ہے مگر میرا خیال غلط تھا وہ تو ہم سب سے بہادر ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے جنگ کی اور واقعی جب تک زکوٰۃ کی ایک ایک رسّی تک وصول نہ کر لی جنگ بند نہ کی۔ اِس جری اور دلیر ابوبکرؓ کو کس تلوار نے مارا تھا؟

اِسی طرح حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ کے جانی دشمن تھے اور آپ کو قتل کرنے کی نیت سے گھر سے چلے تھے کہ راستے میں کسی نے کہا کہ پہلے اپنے بہن اور بہنوئی کو تو مارو جو مسلمان ہو چکے ہیں۔ چنانچہ آپ بہن کے گھر کی طرف چلے، دروازہ اندر سے بند تھا اور ایک صحابی اندر بیٹھے اُن کو قرآن کریم پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دستک دی تو انہوں نے ڈر کے مارے صحابی کو اور قرآن کریم کے ورق کو بھی چھپا دیا اور پھر دروازہ کھولا۔ حضرت عمرؓ غصہ سے بھرے ہوئے اندر داخل ہوئے اور چونکہ قرآن کریم سن چکے تھے دریافت کیا کہ کون پڑھ رہا ہے؟ بہنوئی نے چھپانے کی کوشش کی تو اُس پر حملہ کر دیا اور کہا کہ تُو صابی ہو گیا ہے؟ اُس زمانہ میں مسلمانوں کو صابی کہا جاتا ہے جیسے آجکل ہمیں قادیانی اور مرزائی کہا جاتا ہے۔ ان کی بہن اپنے خاوند کی حفاظت کیلئے بیچ میں آ گئیں اور انہیں گھونسہ لگ گیا جس سے اُن کا خون بہنے لگا۔ بہن نے بھی جوش سے کہا کہ سنو! ہم مسلمان ہو گئے ہیں تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر لو۔ چونکہ عرب کے لوگوں میں ذاتی شرافت تھی عورت کا خون نکلتا دیکھ کر غصہ فرو ہو گیا اور جھٹ معافی مانگنے لگے اور ندامت کا اظہار کرتے ہوئے بولے اچھا سناؤ تم کیا پڑھ رہے تھے؟ مگر بہن غصہ میں تھیں انہوں نے کہا کہ تم ناپاک مشرک ہو جب تک نہا کر نہ آؤ تم کو خدا کا کلام نہیں سنایا جا سکتا۔ چنانچہ آپ نے اُسی وقت غسل کیا۔ اس کے بعد اُس صحابی نے قرآن کریم سنانا شروع کیا دل میں نرمی پیدا ہو چکی تھی اِس لئے خاتمہ سے پہلے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ وہاں سے اُٹھے اور خاموشی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے مکان کی طرف چلے۔ آپ بعض صحابہ کے ساتھ مکان کے اندر بیٹھے وعظ و نصیحت کر رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے دستک دی۔ عمرؓ چونکہ دلیری میں مشہور تھے اس لئے بعض صحابہ نے کہا کہ یہ شخص بہت شوریدہ سر ہے دروازہ نہ کھولا جائے ورنہ ضرور شرارت کرے گا۔ حضرت حمزہؓ بھی بیٹھے تھے انہوں نے کہا

پرواہ نہیں دروازہ کھول دیا جائے اگر اس نے شرارت کی تو ہم بہادری میں اس سے کم نہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا اور حضرت عمرؓ اندر آئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا عمر! کب تک شرارتوں میں بڑھتے جاؤ گے؟ حضرت عمرؓ نے گردن جھکا دی اور عرض کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! میں تو آپ کا غلام بننے کیلئے آیا ہوں۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ صحابہ نے خوشی سے بیتاب ہو کر اِس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ مکّہ کے درو دیوار گونج اُٹھے[۵]۔ اور یہ پہلا نعرہ تھا جو مسلمانوں نے بلند کیا۔

یورپین مصنف کہتے ہیں کہ اسلام کی ترقی کا مدار عمر کی ذات پر تھا بے شک حضرت عمرؓ کی تلوار نے مشرق و مغرب اور ایشیا و افریقہ میں اسلام کیلئے فتوحات کیں مگر اُن کو کس تلوار نے فتح کیا؟ یہ تلوار وہی صداقت اور راستی کی تلوار تھی جس کے مقابلہ میں اور کوئی تلوار نہیں ٹھہر سکتی۔ پس تلوار اور دوسرے ہتھیار آپ لوگوں کی شان کے منافی ہیں۔

انبیاء کی جماعتیں ابتدا میں قربانی کیا کرتی ہیں خود حملہ کبھی نہیں کرتیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ مسلمان لڑائی کو موت سمجھتے تھے۔ پس مؤمن امن پسند ہوتا ہے اسے لوہے کے ہتھیار نہیں بھاتے بلکہ اس کی محبوب تلوار صداقت کی تلوار ہوتی ہے۔ اس لئے میں جماعت کو بِالعموم اور نوجوانوں کو بِالخصوص یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ صداقت پر قائم ہوں یہ وہ تلوار ہے جو ایمان سے ملتی ہے۔ لوہے کی تلواریں روپے سے مل سکتی ہیں لیکن صداقت کی تلوار کے لئے ایمان کی ضرورت ہے جو صرف تمہارے ہی پاس ہے۔ یہ وہ دھات ہے جو حکومتوں کے خزانوں میں نہیں صرف تم ہی ہو جو یہ تلوار بنا سکتے ہو اور چلا سکتے ہو اس لئے اقرار کرو کہ تم میں سے ہر ایک امین اور راستباز بنے گا پھر تمہارے دشمن بھی تمہارے آگے ہاتھ جوڑیں گے اور دنیا میں جسے کسی کام کیلئے دیانتدار آدمی کی ضرورت ہوگی وہ تمہاری تلاش کرے گا۔ صداقت اور دیانت کوئی معمولی نعمت نہیں بلکہ تمام نعمتوں کی جان ہے اور اگر ہمارے نوجوان اقرار کرلیں کہ وہ امین اور راستباز بنیں گے تو وہ بغیر ہتھیاروں کے دنیا کو فتح کر سکتے ہیں۔ راستبازی قولی اور ذہنی سچائی ہے اور امین بننا عملی سچائی کو چاہتا ہے۔ اگر ہمارے نوجوان یہ دونوں چیزیں اپنے اندر پیدا کرلیں تو یہ سوال ہی باقی نہیں رہتا کہ انہیں کام نہیں ملتا۔ تمہیں چاہیئے کہ ثابت کردو کہ احمدی راستباز اور امین ہوتے ہیں پھر شدید

سے شدید دشمن بھی تمہیں تلاش کر کے کام دے گا۔

ہمارے سلسلہ کا ایک شدید مخالف دشمن اور احرار کا لیڈر رہے مگر وہ اپنے خانگی معاملات کیلئے ایک احمدی پر اعتماد کرتا ہے وہ پبلک میں آ کر تو یہ کہتا ہے کہ کسی احمدی کا منہ تک نہ دیکھو مگر خود ایک احمدی کے سِوا کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔ پس جہاں بھی احمدیوں نے اپنے معیار کو قائم رکھا ہے دشمنوں نے بھی ان کی دیانت اور قابلیت کو تسلیم کیا ہے۔ ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے مجھے ایک رپورٹ پہنچی کہ ایک احمدی افسر کے متعلق بعض لوگوں نے بہت شور مچایا مگر جب بالا افسروں نے تحقیقات کی تو مخالفوں کے ایک حصہ نے ہی گواہیاں دیں کہ گزشتہ سالہا سال سے ایسا دیانتدار کوئی افسر ہمارے علاقہ میں آیا ہی نہیں۔ پہلے جو بھی آتا تھا رشوت لیتا تھا صرف یہی ایک ہے جو انصاف سے کام لیتا ہے اور افسرانِ بالا کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ وہ بہت دیانتدار آدمی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک دوست فوج میں ملازم تھے بعض فوجی کبھی جوش میں آ کر لُوٹ مار بھی کر لیتے ہیں اور بعض افسر فوج کی نیک نامی کے قیام کیلئے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ جس کمپنی میں تھے اُس کا بھی اُس وقت یہی حال تھا لیکن وہ احمدی سچا اور مخلص احمدی تھا وہ ہمیشہ سچی بات کہہ دیتا اور اِس وجہ سے ہندوستانی افسر ہمیشہ اُس سے ناراض رہتے اور وہ اکثر کوارٹر گارڈ میں ہی رہتا۔ ایک دفعہ ان کی فوج کوئٹہ کی طرف گئی اور وہاں بعض فوجیوں کا ایک چھابڑی والے سے جھگڑا ہو گیا اور انہوں نے غصہ میں آ کر اُس کی چیزیں چھین لیں اور اُسے مارا بھی۔ پولیس نے اِس معاملہ کی تحقیقات شروع کی تو چند ہندوستانی افسر اِس میں رُکاوٹیں ڈالنے لگے۔ عدالت میں مقدمہ پیش ہوا مجسٹریٹ کوئی دیانتدار انگریز تھا جو چاہتا تھا کہ صداقت کھلے۔ دُکانداروں نے اسے بتایا کہ فوجیوں کے ساتھ ایک شخص ایسا بھی تھا کہ جوان کو اِس کام سے منع کرتا تھا۔ مجسٹریٹ نے فوجی افسروں کو لکھا کہ وہ شخص کہاں ہے اسے پیش کیا جائے۔ جواب میں لکھا گیا کہ وہ سزایاب ہے اور کوارٹر گارڈ میں ہے۔ مجسٹریٹ نے لکھا کہ اسے گواہی کیلئے بھیج دو۔ چنانچہ وہ پیش کیا گیا تو مجسٹریٹ نے اُسے پوچھا کہ تم سزایاب کیوں تھے؟ اُس نے صاف کہہ دیا کہ اسی لئے کہ گواہی نہ دے سکوں اور پھر صاف بات بتا دی۔ مجسٹریٹ نے اس کے افسروں کو لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کی آپ کے ہاں کھپت نہیں اسے ڈسچارج

کر دیا جائے تو میں اسے پولیس افسر بنانا چاہتا ہوں اور اسے ڈسچارج دلا کر پولیس میں ایک اچھے عُہدے پر مقرر کرا دیا اور اس طرح راستی کی بدولت وہ مالی لحاظ سے بھی فائدہ میں رہا۔ پس صداقت ایک ایسی چیز ہے جو دلوں کو فتح کرتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سیّد عبدالقادر صاحب جیلانی ابھی بچے تھے کہ ان کی ماں نے ان کو ان کے ماموں کے پاس تجارت سیکھنے کی غرض سے ایک قافلہ کے ساتھ بھیجا اور چالیس پونڈ ان کی گدڑی میں سی دیئے۔ راستہ میں قافلہ لُٹ گیا۔ ایک ڈاکو نے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس بھی کچھ ہے؟ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہاں چالیس پونڈ ہیں۔ اسے اعتبار نہ آیا اور گھور گھار کر چلا گیا۔ پھر کسی اور نے یہی سوال کیا اور آپ نے یہی جواب دیا۔ آخر ڈاکو ان کو پکڑ کر اپنے افسر کے پاس لے گئے۔ اس نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس واقعی چالیس پونڈ ہیں یا یونہی کہتے ہو؟ آپ نے کہا میرے پاس ہیں اس لئے کہتا ہوں۔ اُس نے کہا کہاں ہیں؟ تو آپ نے کہا گدڑی میں۔ میری ماں نے سی دیئے تھے۔ گدڑی کھولی گئی تو چالیس پونڈ نکل آئے۔ افسر کو حیرت ہوئی اور اس نے کہا کہ تم بہت بیوقوف ہو تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب میرے پاس تھے تو میں جھوٹ کس طرح بول دیتا۔ اِس بات کا اُس چور پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے جھٹ توبہ کر لی اور یہی وہ واقعہ ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ نے چوروں کو قطب بنا دیا۔

پس امانت اور راستی بڑی عجیب چیزیں ہیں اور ایسی تلواریں ہیں جن سے تم قوی سے قوی دشمن کو قتل کر سکتے ہو اور پھر تم جسے قتل کرو گے وہ لمبی زندگی پائے گا۔ ابوجہل وغیرہ نے لوہے کی تلوار سے مسلمانوں کو مارا مگر خود مر گئے لیکن صداقت کی تلوار سے رسول کریم ﷺ نے جن لوگوں کو مارا وہ ہمیشہ کیلئے زندہ ہو گئے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ۔ پس تم صداقت کی تلوار ہاتھ میں لو اور قتلِ عام کرتے جاؤ۔ تمہارا یہ قتلِ عام دنیا کیلئے بہت بڑی برکات کا موجب ہوگا۔ پس اپنے مقام کو سمجھو، تم دُنیوی بادشاہوں کے سپاہی نہیں ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے سپاہی ہو اور تمہارے لئے سب سے بڑی تلوار قرآن اور صداقت کی تلوار ہے اِسے لے کر دنیا میں نکلو پھر تمہارے اندر ایسی تاثیر پیدا ہو جائے گی کہ تمہارے مقابل پر آنے والا خود بخود مرعوب

ہوتا چلا جائے گا۔ بے شک یہ بہت بڑا کام ہے مگر ہمارے خدا میں سب طاقتیں ہیں۔ جھوٹ کے سمندر میں ڈوبے ہوئے انسانوں کیلئے یہ ناممکن ہے کہ سچائی کی کشتی میں بیٹھ سکیں۔ مگر وہ خدا جس نے نوح کے زمانہ میں ایک کشتی تیار کرائی اور جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نوح کا نام دیا اُس کیلئے یہ ناممکن نہیں کہ ایک ایسی کشتی تمہیں دے دے جس سے تم نہ صرف خود اس سمندر سے نکل جاؤ بلکہ اَوروں کو بھی نکال لو۔ پس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم پر اپنا فضل نازل کرے اور ہمیں سچائی پر قائم ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور صداقت کی تلوار عطا کرے جس کے مقابلہ میں شیطانی تلوار اور کینہ و کپٹ اور بُغض وعِناد کی تلواریں نہ ٹھہر سکیں تا اُس کی حکومت پھر قائم ہو اور محمد ﷺ کا نور پھر دنیا میں پھیلے۔

(الفضل ۱۷؍ مارچ ۱۹۳۶ء)

۱؎ غُلّہ: مٹی کی گولی یا کنکری جسے غلیل میں رکھ کر چلاتے ہیں۔

۲؎ ڈینیوب: یورپ کے دریاؤں میں سے دوسرا سب سے بڑا دریا۔ بلیک فارسٹ کی مشرقی ڈھلانوں سے نکلتا ہے اور بحیرۂ اَسود میں جا گرتا ہے۔

۳؎ یونس: ۷۱

۴؎ سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۸۶ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۵؎ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۵۱ مطبوعہ لاہور ۱۳۰۹ھ

۶؎ سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ